''سعادت'' اور ''حصولِ سعادت''

سید وصی مظہر ندوی☆

سعادت کی حقیقت

مابعد الطبیعی فلسفہ، علم الاخلاق اور معاشرتی علوم کے مباحث میں یہ مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے کہ انسان کو کامیاب اور خوش قسمت قرار دینے کا معیار کیا ہے۔ کون سا شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اسے آخری طور پر کامیاب اور بامراد تسلیم کیا جائے۔ شاہ صاحبؒ نے اسی کامیاب یا بامراد ہونے کو ''سعادت'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے دور میں فلسفہ اور علم الاخلاق میں یہی اصطلاح معروف و مشہور تھی۔ بہر حال کامیابی اور خوش بختی یا ''سعادت'' کی حقیقت ہر نظامِ فکر و فلسفہ میں علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد دراصل اس اختلاف پر ہے جو اِس کائنات اور کائنات میں انسان کے مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس سلسلہ میں پائے جانے والے مختلف نظریات کا ذکر کر کے ان کو مدلل طور پر ردّ کیا ہے اور پھر اسلامی فکر کے مطابق انسان کے مقام کو متعین کر کے اس کی سعادت اور شقاوت کے معیار کو واضح کیا ہے۔ ان صفحات میں شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق صرف ''سعادت'' اور ''حصولِ سعادت'' کے طریقے کو بالاختصار پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سب سے پہلے شاہ صاحب نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اسلامی تعلیمات اور انسان کی حقیقت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اندر ایک تو وہی حیوانی روح ہے جو تمام حیوانات میں پائی جاتی ہے اور جو مادی عناصر میں ایک خاص طرح کی ترتیب نمودار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ

☆ برامپٹن۔ اونٹاریو (کینیڈا)

© rasailojaraid.com

حیوانی روح حواسِ خمسہ کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کے بہیمی یا حیوانی تقاضوں کا ادراک بھی رکھتی ہے اور ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے پوری شدت کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہے۔ بدل ما یتحلل (جسم کے تحلیل ہوتے رہنے والے حصوں کا بدل) کے لئے مناسب غذا کی تلاش اور تیاری' غذا کھانے کے بعد اس کے ہضم کا اہتمام' جسم کے ہر حصے کو اس کی ضرورت کے مطابق ہضم شدہ غذا پہنچانا' شدید سردی' شدید گرمی یا دیگر نامناسب موسمی حالات سے بچنے کی طرف توجہ' خطرات سے محفوظ رہنے کا انتظام' جسم کے خودکار اندرونی نظام کی دیکھ بھال' تھکاوٹ دور کرنے کے لئے آرام اور بقائے نسل کے لئے دیگر ضروری انتظامات سب اسی روحِ حیوانی یا اس کی بہیمی قوت کی کارفرمائیاں ہیں۔

لیکن انسان جس روح کی وجہ سے انسان کہلانے کا مستحق بنتا ہے وہ مَلکی یا مَلکوتی روح ہے جو اللہ تعالیٰ روحِ حیوانی پر اپنے فیضان سے نازل فرماتا ہے۔ چونکہ یہ روح مَلکوتی الاصل ہے اس لئے یہ انسان کو مَلکی خصوصیات اور اوصاف کی بلندیوں کی طرف لے جانا چاہتی ہے اور بہیمی تقاضوں پر بھی اس طرح اثر ڈالتی ہے کہ وہ بھی مَلکی اوصاف کے رنگ میں کم و بیش رنگ جائیں۔ چنانچہ انسان کی ''سعادت'' اور کامیابی یہ ہے کہ اس کی روحِ حیوانی' روحِ مَلکی کی تابع ہو جائے اور اپنے تمام حیوانی تقاضوں کو بھی اس انداز میں پورا کرے جو روحِ مَلکی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

اس ''سعادت'' کے حصول کے لئے دو طریقے معروف ہیں۔ ایک یہ طریقہ کہ بہیمیت اور اس کے تقاضوں کو سخت ترین مشقتوں کے ذریعہ بالکل ہی کچل کر رکھ دیا جائے اور صرف مَلکوتی تقاضوں کو پورا کرنے کی زبردست جدوجہد کی جائے' مگر اس طریقہ کار میں دو بڑی خرابیاں ہیں:

(۱) ایک خرابی تو یہ ہے کہ اس طریقے پر عمل کرنے والے انسانی تمدن اور اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ جنگلوں' پہاڑوں اور غاروں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لباس سے بھی اکثر بے نیاز ہوتے ہیں۔ بقائے نوع کے تقاضوں کو

© rasailojaraid
© rasailojaraid

بھی پس پشت ڈالتے ہیں۔ فاقوں میں زیادہ وقت بسر کرتے ہیں۔ بھوک کی شدت اگر بڑھ جائے تو جنگل کی جڑی بوٹیوں یا پھلوں پر قناعت کرتے ہیں۔ چنانچہ تمام انسان یا ان کی ایک بڑی تعداد حصولِ سعادت کے اس طریقے پر اگر عمل پیرا ہو جائے تو انسانی تمدن کا ارتقاء یکسر رک جائے گا' جبکہ قرآن حکیم نے تو انسان کو بھرپور تمدنی زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے اور دنیا کی آرائش و آسائش کو اللہ کے انعام سے تعبیر کیا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ﴾ (الاعراف:۳۲)

''پوچھو! اللہ کی اتاری ہوئی زینت و آرائش کو اور رزق کی پاک چیزوں کو کس نے حرام ٹھہرایا ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الروم:۲۱)

''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔ اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان کے لئے جو فکر کریں۔''

(۲) اس طریقے کی دوسری خرابی یہ ہے کہ بہیمی قوت اور اس کے تقاضوں کو یکسر نظرانداز کر دینا یا کچل ڈالنا چونکہ فطرت کے خلاف ہے اس لئے اس طریقے پر چلنے والے اپنے مقصد میں مکمل طور پر کبھی کامیاب نہیں ہوتے' بلکہ اکثر بہیمی تقاضے اتنے شدید ہو جاتے ہیں کہ تمام بندھنوں اور حدوں کو توڑ کر طالب رہبانیت کو اپنے سیلاب میں بہا لے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریقے پر چل کر حصولِ سعادت کی کوشش کرنے والے دنیا میں ہمیشہ بہت تھوڑی تعداد میں رہے ہیں اور ان میں سے وہ لوگ تو تقریباً معدوم ہی ہیں جو اپنے مقصد اور منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ اکثر تو حصولِ مقصد کے لئے مشقتیں ہی جھیلتے رہے یا پھر بہیمیت کے منہ زور سیلاب میں بہہ گئے۔

انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے رسول چونکہ جمہور انسانوں کی تعلیم و تربیت اور ان کو کامیاب و بامراد بنانے کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے اٹھائے جاتے ہیں اس لئے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

بھی پس پشت ڈالتے ہیں ۔ فاقوں میں زیادہ وقت بسر کرتے ہیں ۔ بھوک کی شدت اگر بڑھ جائے تو جنگل کی جڑی بوٹیوں یا پھلوں پر قناعت کرتے ہیں ۔ چنانچہ تمام انسان یا ان کی ایک بڑی تعداد حصولِ سعادت کے اس طریقے پر اگر عمل پیرا ہو جائے تو انسانی تمدن کا ارتقاء یکسر رک جائے گا' جبکہ قرآن حکیم نے تو انسان کو بھرپور تمدنی زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے اور دنیا کی آرائش و آسائش کو اللہ کے انعام سے تعبیر کیا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ﴾ (الاعراف:۳۲)

''پوچھو! اللہ کی اتاری ہوئی زینت و آرائش کو اور رزق کی پاک چیزوں کو کس نے حرام ٹھہرایا ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الروم:۲۱)

''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی ۔ اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان کے لئے جو فکر کریں۔''

(۲) اس طریقے کی دوسری خرابی یہ ہے کہ بہیمی قوت اور اس کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دینا یا کچل ڈالنا چونکہ فطرت کے خلاف ہے اس لئے اس طریقے پر چلنے والے اپنے مقصد میں مکمل طور پر کبھی کامیاب نہیں ہوتے' بلکہ اکثر بہیمی تقاضے اتنے شدید ہو جاتے ہیں کہ تمام بندھنوں اور حدوں کو توڑ کر طالب رہبانیت کو اپنے سیلاب میں بہا لے جاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریقے پر چل کر حصولِ سعادت کی کوشش کرنے والے دنیا میں ہمیشہ بہت تھوڑی تعداد میں رہے ہیں اور ان میں سے وہ لوگ تو تقریباً معدوم ہی ہیں جو اپنے مقصد اور منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہوں ۔ اکثر تو حصولِ مقصد کے لئے مشقتیں ہی جھیلتے رہے یا پھر بہیمیت کے منہ زور سیلاب میں بہہ گئے ۔

انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے رسول چونکہ جمہور انسانوں کی تعلیم و تربیت اور ان کو کامیاب و بامراد بنانے کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے اٹھائے جاتے ہیں اس لئے

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ان کی تعلیمات میں ''حصولِ سعادت'' کے پہلے طریقے کے بارے میں چند اشارات ملتے ہیں۔ البتہ حصولِ سعادت کے دوسرے طریقے کو انہوں نے خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے اور اس کی تمام جزئیات کی نشاندہی کی ہے' کیونکہ ان کی بعثت اصلاً اسی طریقے کی تعلیم کے لئے ہوتی ہے۔ اس دوسرے طریقے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مَلکوتی صفات میں رنگنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے اور بہیمی تقاضوں کی تکمیل کے لئے بھی وہ طریقے اختیار کرے جو مَلکوتی اوصاف سے قریب تر ہوں تاآنکہ فی الجملہ بہیمی قوت مَلکی قوت کے تابع بن جائے۔

مَلکوتی اوصاف

قرآن حکیم سے ملائکہ کی جو امتیازی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں وہ چار ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان خصوصیات یا صفات میں جتنا زیادہ ملائکہ سے قریب ہوگا اتنا ہی وہ کامیاب اور بامراد یا صاحبِ سعادت ہوگا۔ یہ چار خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱) طہارت

ملائکہ کی ان چار صفات میں سے پہلی صفت طہارت ہے۔ چونکہ ان کی تخلیق میں مادے کو دخل نہیں ہے اور جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ نورانی مخلوق ہیں اس لئے وہ تمام مادی گندگیوں سے دور ہیں۔ وہ چونکہ غذا کے محتاج نہیں اس لئے نہ وہ حدثِ اکبر (جنابت) میں مبتلا ہوتے ہیں اور نہ حدثِ اصغر میں۔ چنانچہ ان کو غسل کی حاجت ہوتی ہے نہ وضو کی۔

ملائکہ کی اس صفت سے مشابہت اور مطابقت پیدا کرنے کے لئے شریعت میں احکامِ طہارت کا ایک وسیع باب ہے۔ ہر قسم کی ظاہری اور حکمی نجاستوں سے بدن' لباس اور دیگر متعلقات کو پاک رکھنے کے لئے تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں' بلکہ یہاں تک فرمایا گیا ہے:

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ)) (مسلم)

''طہارت ایمان کا نصف (یا ایمان کا جزو) ہے۔''

نیز قرآن حکیم میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۲۲)

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

''اللہ تعالیٰ توبہ (رجوع) کرنے والوں اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (التوبة:۱۰۸)

''اللہ تعالیٰ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

۲) اِخبات

ملائکہ کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ جلال وعظمت کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہتے ہیں۔ اس کی تسبیح وتقدیس اور حمد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اپنی عاجزی' بے بسی' ضعف اور ناتوانی کو اچھی طرح جانتے اور اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کے منتظر رہتے ہیں اور جو بھی حکم ملتا ہے اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ (الانبیاء:۲۰)

''وہ رات ودن تسبیح کرتے ہیں' وقفہ نہیں کرتے۔''

مگر اخبات کے اصل معنی تواضع اور پستی اختیار کرنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ مادہ تین آیات میں وارد ہوا ہے۔ ہر جگہ اس کا یہی مفہوم ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (هود:۲۳)

''بیشک جو لوگ ایمان لائے' صالح عمل کئے اور جنہوں نے اپنے ربّ کی طرف اخبات (تواضع اور پستی) کو اختیار کیا وہی لوگ جنت والے ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

اخبات ہی سے ملتے جلتے معنی میں قرآن مجید میں انابت بھی استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح خشوع اور خضوع کے کلمات کا مفہوم بھی اس سے قریب ہے۔ قنوت (باادب پیش ہونا) بھی اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال فرشتوں میں یہ صفت بدرجہ اَتم پائی جاتی ہے۔ شریعت میں ''اِخبات'' کی صفت پیدا کرنے کے لئے بہت زیادہ اہتمام کیا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

گیا ہے' مثلاً یہ کہ:

ا) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قدرت و کمال اور عظمت و جلال' اس کی شان استغناء' اس کی قہر مانی اور غلبہ' اور اس سب کے مقابلے میں مخلوقات بالخصوص انسان کی عاجزی اور بے بسی کو خوب کھول کر اور بار بار بیان کیا گیا ہے۔

ب) ان صفات کو مستحضر رکھنے کی غرض سے ہمہ وقت ''ذکر'' کرتے رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ پانچ وقت کی نماز ذکر کے لئے اور خشوع و خضوع نیز قنوت کے لئے شروع کی گئی ۔ فرائض کے علاوہ نوافل بالخصوص نمازِ تہجد کو دأب الصالحین (صالحین کی روش) کے طور پر جاری کیا گیا۔

ج) نماز کے علاوہ روزے' حج نیز قربانی کی عبادات فرض کی گئی ہیں۔

د) نبی ﷺ نے صبح سے شام تک ہر موقع کے لئے دعائیں سکھائی ہیں اور دن میں بکثرت استغفار کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

ہ) قرآن مجید کی تلاوت بہت بڑا ذکر ہے' حتیٰ کہ قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک اہم نام ''الذکر'' ہے۔

اگر انسان ان تمام باتوں پر حتی الوسع شعور کے ساتھ کاربند رہے تو اس کے اندر ''اخبات'' کی صفت نہ صرف پیدا ہوتی ہے بلکہ پروان چڑھتی چلی جاتی ہے۔

۳) سماحت

فرشتوں کی تیسری امتیازی خصوصیت یا صفت ''سماحت'' ہے۔ سماحت کے اصل معنی طبیعت کی وہ نرمی ہے جو اپنی ذات اور اپنے مفاد کے ساتھ گہری دلچسپی یا محبت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے آدمی ایثار اور سخاوت کو بڑی خوش دلی کے ساتھ اختیار کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کوئی بھی کام اپنے ذاتی مفاد کے لئے کرتے ہی نہیں' ان کا وجود اس عالم کے مفاد اور بہتری کے لئے ہے۔ چنانچہ نظامِ عالم کی بہتری اور انسان کی ہدایت اور ترقی کے لئے وہ تمام احکامِ الٰہی کو خوشی سے انجام دیتے ہیں۔ چونکہ ان کا وجود خود اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ کائنات کی بھلائی اور

خدمت کے لئے ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ عالم کے نظام میں کوئی تبدیلی چاہتا ہے تو وہ اس کو روبعمل لانے کے لئے سرگرم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ بندوں میں سے کسی کو پسند کرتا ہے تو وہ بھی اسے پسند کرنے لگتے ہیں اور اس کی تائید وحمایت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب کسی کے خلاف نفرت کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

یہی سماحت کی صفت اللہ کے جن بندوں میں پیدا ہو جاتی ہے ان کی دلچسپی اپنے کھانے' پینے' پہننے' اوڑھنے اور عیش و آرام سے کم سے کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان باتوں کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی ہے۔ کھانا اچھا لگا کھالیا' نہ اچھا لگا چھوڑ دیا۔ نہ اچھے کھانے کی تعریف وتحسین نہ بدذائقہ کھانے کی مذمت اور برائی۔ دوسروں کو کھلا کر زیادہ خوش' خود ملا تو کھالیا نہیں تو روزے کی نیت کرلی۔ ساری تگ و دو قوم اور معاشرے کی بھلائی کے لئے' اپنی ذات کے لئے بقدرِ ضرورت۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے جان و مال کی ہر قربانی کے لئے خوش دلی سے تیار۔ سماحت کی صفت رکھنے والوں کا یہ انداز اور یہ مزاج ہوتا ہے۔ وہ بھی ضروریات کے لئے مادّی اشیاء استعمال ضرور کرتے ہیں لیکن ان کی محبت میں مبتلا نہیں ہوتے۔ شریعت کے احکام اور دینی تعلیم کا ایک وسیع باب اسی سماحت کی صفت پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جان و مال کی قربانی بھی وہی شخص خوش دلی سے دے سکتا ہے جس کے اندر سماحت کی صفت ہو۔

۴) عدالت

چوتھی مَلکوتی صفت ''عدالت'' ہے۔ یہ اصطلاح شاہ صاحبؒ نے جس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے وضع کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی کام انسان کسی وسیع تر فائدہ' اجتماعی مفاد اور کلی فکر کے تحت انجام دیتا ہے اسے عدل کہا جائے گا اور انسان کی اس صفت کو عدالت کہا جائے گا جس کے اثر سے وہ محدود نگاہ' جزئی فکر' شخصی یا ذاتی مفاد سے بالاتر کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے واضح کیا ہے کہ یہ بھی فرشتوں

© rasailojaraid.

کی اہم صفت ہے۔ وہ جو بھی کام کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تحت عالم کی اصلاح' انسانوں کی مجموعی بھلائی' ہمہ جہت خوبی' دور نگاہی اور آفاقی سوچ کے تقاضوں کے مطابق کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کی تسبیح (نقائص سے پاک ہونے)' تحمید (تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہونے) اور تقدیس (پاکیزگی) کو بیان اور ثابت کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں ان کے پیش نظر کاموں اور مقاصد کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۞ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞﴾ (المؤمن:۷-۹)

''وہ (فرشتے) جو عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں وہ اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے لئے استغفار (خطاؤں کی پردہ پوشی کی دعا) کرتے ہیں' (کہتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے۔ پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔ اور ان کو ہمیشگی کے باغات میں داخل کر جن کا تُو نے ان سے وعدہ کیا ہے' اور ان کے آباء' ان کی ازواج اور ذریات میں سے جو سدھر جائیں ان کو بھی (ان میں داخل کر)۔ بیشک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اور ان کو (قیامت کے دن کی) تکالیف سے محفوظ فرما۔ بیشک جس کو تو نے (قیامت کے دن کی) تکالیف سے محفوظ فرما دیا تو یقیناً تو نے اس پر رحم فرمایا' اور یہی شاندار کامیابی ہے۔''

فرشتوں کی صفات سے جو انسان جتنی زیادہ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں اتنا ہی زیادہ وہ نظامِ عالم کی اصلاح' قوموں' ملکوں اور انسانوں کی مجموعی بہتری کے لئے

کوشاں ہوتے ہیں۔ مگر فرشتوں کے ساتھ حقیقی مشابہت پیدا کر لینے والے انسانوں کے صرف دُنیوی معاملات کی بہتری کی کوشش تک اپنی جدوجہد کو محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ ان کی اصل شاندار کامیابی یعنی آخرت کی کامیابی کو اپنا اصل مقصود بناتے ہیں اور ان کے اندر یہ صفت عدالت پوری طرح جلوہ نما ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی شریعت اور ان کی تعلیمات کا اصل مقصود انسانوں کے اندر انہی چار صفات کی تخلیق و تربیت ہے۔

دنیا کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمانے میں اور ہر ملک و قوم میں وہی انسان عزت و شہرت کے مقام نیز سرداری، قیادت اور حکومت و اقتدار کے مرتبے تک پہنچتے ہیں جن کے اندر یہ مَلکوتی اوصاف دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نمایاں طور پر موجود ہوں۔ چنانچہ اصحابِ علم و دانش معلم کے مرتبے پر اور صنعت و حرفت اور سائنسی ایجادات میں عمریں کھپا دینے والے عملی رہنمائی کے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرے کی اجتماعی اصلاح کی کوشش کرنے والے، ظلم و ناانصافی کے خلاف لڑنے والے، مظلوموں کی مدد کے لئے اٹھنے والے اور اصلاحی تحریکوں میں اپنا سب کچھ لٹا دینے اور جان و مال کی ہر بازی کھیل جانے والے اپنی اپنی قوموں کی آنکھ کا تارا بنتے ہیں۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کی سچی تعلیمات سے بے بہرہ یا اس سے مُنہ موڑنے والے چونکہ ''اِخبات'' کی صفت سے بہرحال محروم رہتے ہیں اس لئے دنیا میں بھی ان کو وہ برکتیں نصیب نہیں ہوتیں جو صفتِ ''اِخبات'' رکھنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں اور آخرت میں تو وہ اللہ کی رحمت سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ انبیاء کے طریقے پر چل کر ان چاروں اوصاف کو اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں ان کو دنیا میں بھی اس حد تک بھرپور اجر ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مادی اسباب و قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے مل سکتا ہے اور آخرت کی ''فوزِ عظیم'' تو بس انہی کا حصّہ ہے۔

ہماری اس بات کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ اگر چاروں مَلکوتی صفات رکھنے والے ان کم سے کم مادی اسباب کو بھی فراہم کر لیں جو دُنیوی کامیابی کے لئے ضروری ہیں

© rasailojaraid.c

(یعنی قرآنی معیار کے مطابق قوی الایمان باطل کے مقابلے میں دسواں حصہ جبکہ نسبتاً ضعیف الایمان اپنے سے دوگنا باطل کے مقابل)' تو دنیوی کامیابی بھی ان کے قدم چومے گی۔ لیکن مادی اسباب اگر فراہم نہ ہوسکیں یا کم فراہم ہوں تو ہر موقع پر اہل ایمان کی کامیابی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہر معرکہ حق و باطل میں مداخلت فرمائے اور ہر صورت میں اپنی قدرت سے انہیں کامیاب کردے تو عالم اسباب پر انسانوں کا اعتماد ختم ہوجائے گا' جس کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ انسان ہر قسم کی جدوجہد چھوڑ کر ہر وقت پردۂ غیب سے ظاہر ہونے والے دست قدرت کی مداخلت کا انتظار کرنے لگے گا۔ اگرچہ عالم کے بہت وسیع تر مفاد کے لئے شاذ و نادر عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ کی مداخلت کا مشاہدہ بھی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ آگ کے شعلے خوشگوار اور سلامتی کے ضامن بن جاتے ہیں اور مٹھی بھر خاک پورے لشکر کی آنکھیں چندھیا کر رکھ دیتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس قسم کی مداخلت کے لئے بھی بالعموم عالم اسباب کا ظاہری پردہ برقرار رکھتا ہے ——— جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے صحت بخش چشمہ زمین سے اُس وقت نمودار ہوا جب انہوں نے زمین پر اپنا پاؤں مارا' بنی اسرائیل کے لئے بارہ چشمے اُس وقت پھوٹ نکلے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنی لاٹھی سے ضرب لگائی۔ حضرت مریم کو تازہ کھجوریں حاصل کرنے کے لئے کھجور کے تنے کو ہلانا پڑا اور لشکر کا راشن ختم ہونے پر ہر شخص نے اپنا بچا بچایا توشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر حاضر کردیا تب یہ جمع شدہ کھانا پورے لشکر کے لئے کافی ہوگیا۔

شاہ صاحبؒ نے اس مبحث میں ایک اور اہم نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ کچھ اعمال بہیمیت کو تقویت دینے یا آرام پہنچانے والے ہوتے ہیں اور کچھ اعمال بہیمیت کے لئے موجبِ تکلیف ہوتے ہیں۔ مَلکیت کا بھی یہی معاملہ ہے۔ تاہم بہیمیت لذت ہو یا اَلم' راحت ہو یا دکھ' ہر ایک چیز کا فوراً احساس کرلیتی ہے۔ چنانچہ انسان کا پاؤں اگر آگ کی چنگاری پر جا پڑے تو روح حیوانی کو اس کا فوری طور پر ادراک ہوجاتا ہے اور اس

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

تکلیف سے بچنے کے لئے وہ مناسب احکام صادر کرتی ہے۔اسی طرح اگر برف کی ڈلی ہاتھ میں آ جائے تو روحِ حیوانی اس کا اِدراک کرتے ہی مثلاً یہ ہدایت دیتی ہے کہ اس برف سے پانی ٹھنڈا کیا جائے۔ اس کے برخلاف روحِ مَلکوتی کے لئے جو باتیں موجب لذت ہوتی ہیں یا جو اعمال موجبِ الم ہوتے ہیں فوری طور پر اُن کا اثر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا' کیونکہ روحِ مَلکوتی بہیمیت کے لبادے یا خول میں ہونے کی وجہ سے ایک طرح سے سن اور وقتی طور پر بے حس ہو جاتی ہے۔ مگر جب بہیمیت کو کمزور کر دیا جاتا ہے یا جب موت کے بعد بہیمیت کا لبادہ یکسر اتر جاتا ہے تب مَلکیت کو پوری شدت کے ساتھ اس لذت یا اَلم کا اِدراک ہوتا ہے۔ چنانچہ عالمِ آخرت میں انسان کے اچھے اعمال حسین باغات اور دودھ یا شہد کی نہروں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اس کے برے اعمال جہنم کی آگ' زقوم کا درخت اور کھولتا ہوا پانی بن کر بدکار کی مَلکیت کے لئے عذاب کا سامان بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیثِ قدسی میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد اس طرح بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے:

((يَا عِبَادِىْ اِنَّمَا هِىَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ)) (صحیح مسلم)

''اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال تو ہیں جو میں نے تمہارے لئے گن گن کر رکھے تھے۔''

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے کہ اہل جنت کو جب بھی جنت کا کوئی میوہ عطا ہو گا تو وہ پکار اٹھیں گے ﴿هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ''یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے ہی سے دیا گیا تھا'' (یعنی اس پھل کی لذت تو وہی ہے جو اس نیکی کی لذت تھی جس کی توفیق ہم کو دنیا میں ملی تھی)۔ واللہ اعلم!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.com